اردو داستان: ایک محاکمہ

داستان کا وجود، انسان کے وجود سے جڑا ہوا ہے۔ جب سے انسان نے بولنا، چالنا سیکھا، اپنی بات دوسروں تک پہنچانے لگا، تب سے داستان کی ابتدا ہوئی۔ انسان کو حیوانِ ناطق کہا جاتا ہے۔ اس کی جبلت میں، اپنی بات کو بڑھا چڑھا کر، دلکش اور پُر تجسس انداز میں کہنا شامل ہے۔ انسان قصے، کہانی کی شکل میں کسی بات کو زیادہ انہماک اور اشتیاق سے سننے کا عادی رہا ہے۔ یہ اس کی سرشت میں شامل ہے۔ اسی باعث اللہ تعالی نے بھی اپنی زیادہ تر کتب میں بہت سارے واقعات، قصے کی شکل اور دلچسپ پیرائے میں بیان کیے ہیں۔ قرآن میں متعدد نبیوں اور پیغمبروں کے قصے بیان کیے گئے ہیں۔ ان تمام قصوں میں قصہ یوسفؑ کو 'احسن القصص' کا درجہ حاصل ہے۔ ویسے قرآن میں موسیٰ علیہ السلام، سلیمان علیہ السلام، داؤد علیہ السلام، حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل۔ حکیم لقمان، بی بی مریم، عیسیٰ علیہ السلام، ملکہ صبا، یونس علیہ السلام کے متعدد واقعات قصے کی شکل میں بیان ہوئے ہیں۔ قرآن ہی نہیں دنیا کے دیگر مذاہب کی کتب میں بھی مذہبی قصے درج ہیں۔ بائبل، توریت ہوں یا وید ہوں، مختلف قصوں اور کہانیوں سے بھرے پڑے ہیں۔ ہندو دھرم کی معروف کتب میں مہابھارت کا قصہ، رامائن کی کہانی، دیوی دیوتاؤں اور اوتاروں کی زندگی کا پُر تجسس بیان قصے کو مزید دلچسپ بنا دیتا ہے۔ یہ داستان کا ہی روپ ہیں۔ ہندو دھرم میں آج بھی رام لیلاؤں، کرشن لیلاؤں اور کتھاؤں کے اجلاس منعقد ہوتے ہیں اور ان میں قصوں کا بیان کہیں نثر میں، تو کہیں نظم میں اور کہیں ڈرامے کی شکل میں ہوتا ہے۔ آج سے ہزاروں سال قبل، جب انسان نے کچھ ترقی حاصل کر لی تھی اور نقل و حمل کے ذرائع وجود میں آئے تو

Scanned by TapScanner

ور داستان گو ہوا کرتے تھے جو قصے میں قصے ملاتے رہتے اور اکثر سامعین کو علم بھی نہیں ہو پاتا کہ کب کون سا قصہ شروع ہوا اور کب کون سا ختم۔

جہاں تک داستان کے فنی لوازم کا تعلق ہے تو اس کے متعدد اجزا، طوالت، طرزِ بیان، مافوق عناصر، تحیر، تجسس، دلچسپی ہیں۔ طوالت، داستان کا ایک اہم جز ہے۔ لیکن اس کا انحصار داستان گو کی علمیت، معلومات اور طرزِ بیان پر ہوتا تھا۔ داستان کی طوالت کے تعلق سے کئی قصے مشہور ہیں مثلاً ایک بادشاہ ہوا کرتا تھا، جو ہر رات شادی رچایا کرتا تھا اور ہر صبح اپنی بیوی کو جلاد کے حوالے کر دیتا تھا۔ پورے علاقے میں بادشاہ کے اس عمل سے دہشت تھی۔ ہر گھر کی عزت داؤ پر لگی تھی۔ ایسے میں ایک قصہ گو بیٹی نے خود کو بادشاہ کی ایک رات کی دلہن بننے کے لیے پیش کیا۔ جب بادشاہ سونے کے لیے کمرے میں آیا تو ادھر ادھر کی باتوں کے دوران رانی نے قصہ بیان کرنا شروع کر دیا۔ رات کا شباب اور قصے کا عروج ساتھ ساتھ بڑھتا گیا۔ تھک ہار کر رات رخصت ہونے پر آئی لیکن قصے کا شباب مزید شدت اختیار کرتا گیا۔ حتیٰ کہ صبح ہوگئی۔ جلاد آ گئے۔ رانی نے قصہ ایک اہم موڑ پر اچانک چھوڑ دیا اور خود قتل ہونے کے لیے چلنے کی تیاری کرنے لگی۔ بادشاہ نے قصہ جاری رکھنے کو کہا اور جلادوں کو گلی صبح آنے کو کہا۔ اگلی صبح بھی یہی ہوا۔ رانی قصہ در قصہ پروتی گئی اور تحیر و تجسس کا شکار بادشاہ داستان کے پیچ و خم میں گرفتار ہوتا گیا۔ ہفتے، مہینے گذرتے گئے۔ بالآخر بادشاہ کو رانی کی قربت اور داستان گوئی سے انس و محبت ہوتی گئی اور اس طرح داستان کی طوالت نے بے شمار بیٹیوں کی عزت کو تحفظ فراہم کیا۔

دوسرا واقعہ اس طرح ہے کہ لکھنؤ کے کسی بادشاہ کے یہاں ایک داستان گو ملازم تھا۔ روز داستان سنانا اس کا کام تھا۔ ایک بار وہ ایک داستان سنا رہا تھا۔ داستان میں شہزادے کی بارات محل سے نکلنی تھی کہ داستان گو کو ایک ضروری کام آن پڑا اور وہ بادشاہ سے پندرہ دن کی چھٹی لے کر، اپنی جگہ اپنے شاگرد کو داستان سنانے پر معمور کر گیا اور جاتے جاتے کہہ گیا کہ جب تک میں نہ آؤں داستان سنبھالے رکھنا۔ شاگرد نے استاد کے پندرہ دن بعد آنے تک شہزادے کی بارات کو محل کے دروازے پر ہی روکے رکھا۔ بارات کی سجاوٹ۔ دولہے کی تیاری وغیرہ کا بیان کرتا رہا اور اس طرح داستان کو سنبھالے رکھا۔ استاد نے آ کر داستان

کو پھر آگے بڑھایا۔ داستان کے فن کے تعلق سے ہمارے اکابرین کی مختلف آرار ہیں۔ پروفیسر گیان چند جین کا خیال ہے:

''رومانی داستان میں ایک خیالی دنیا، خیالی واقعات کا بیان ہوتا ہے۔ اس میں تخیل کا رنگین قرمزی بادل چھایا رہتا ہے۔ اس میں کوئی فوق الفطری عناصر نہ بھی جلوہ آرا ہو تب بھی اس میں جو واقعات بیان کیے جاتے ہیں وہ ایسے ہوتے ہیں جو حقیقی سے زیادہ تخیلی ہوتے ہیں۔ مافوق الفطرت کی تحیر خیزی، حسن و عشق کی رنگینی، مہمات کی پیچیدگی، بیان کا لطف انہیں عناصر سے داستان عبارت ہے۔'' [بحوالہ اردو ناول کا آغاز وارتقا، عظیم الشان صدیقی، ص 58 ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، 2008]

خواجہ امان، داستان کے فن کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''مطلب مطویل و خوشنما جس کی بندش میں توارد مضمون اور تکرار بیان واقع نہ ہو اور مدت دراز تک اختتام کے سامعین مشتاق ہیں۔''

[سب رس، ص 10، بحوالہ داستان سے ناول تک، ابن کنول، ص 15، 2001]

پروفیسر عظیم الشان صدیقی اپنی کتاب، اردو ناول: آغاز وارتقار میں ناول کا پس منظر بیان کرتے ہوئے داستان کے فن پر یوں تبصرہ کرتے ہیں:

''داستان افسانوی ادب کی سب سے زیادہ وسیع اور عریض صنف ہے۔ یہ اپنے اندر افسانوی ادب کی دیگر اصناف کو جذب کرنے کے بعد بھی اپنی ایک امتیازی شان باقی رکھتی ہے۔ اس کی بنیادی خصوصیت رومان یعنی حقیقت سے دور تخیلی دنیا ہے۔'' [اردو ناول کا آغاز وارتقا، عظیم الشان صدیقی، ص 57 ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، 2008]

داستان کے اوصاف کا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر کلیم الدین احمد لکھتے ہیں:

''داستان گوئی کا اصل الاصول یہ ہے کہ دلچسپ ہو اور برابر دلچسپ ہو کہ مدت دراز تک اختتام کے سامعین مشتاق رہیں اور وہ برابر۔ پھر کیا ہوا..... پھر کیا ہوا..... کی صدا بلند کرتے رہیں۔'' [اردو زبان اور فن داستان گوئی، کلیم الدین احمد، ص 9 ادارہ فروغ اردو، 1965]

Scanned by TapScanner

داستان کے اوصاف کا تفصیلی مطالعہ کرنے کے بعد اس کے اسباب، اثرات اور انداز کے تعلق سے معروف ناقد ڈاکٹر فرمان فتح پوری تحریر کرتے ہیں:

''وہ انسانی ذہن کی تخلیق ہونے کی حیثیت سے ہمیں زمانہ قدیم و بعید کے انسان کی یاد دلاتی ہیں۔ ان کے اعتقادات و میلانات پر روشنی ڈالتی ہے۔ ان کے انداز غور و فکر سے آشنا کرتی ہیں۔ ان کی سادہ لوحی، بے چارگی، مردانگی، معصومیت، خداترسی، قوت تسخیر، فتح و کامرانی کے قصے سناتی ہیں۔ ان کے ذوق و شوق، مشاغل و معمولات اور خیر و شر کے ذکر سے فرصتِ لمحات میں ہمارا دل بہلاتی ہیں اور تھوڑی دیر کے لیے ہمیں دنیا کے خرخشوں سے نجات دلاتی ہیں۔'' [اردو کا افسانوی ادب، فرمان فتح پوری، ص 27، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، 2006']

سید وقار عظیم نے بھی داستان پر کام کیا ہے۔ ان کی مشہور کتاب 'داستان سے افسانے تک' اس سلسلے کا ثبوت ہے۔ لیکن اس کتاب میں وقار عظیم نے داستان کا ذکر صرف پس منظر کے طور پر استعمال کیا ہے۔ وہ داستان کے فن، آغاز و ارتقاء سے سرسر گذرے ہیں اور زیادہ زور ناول پر صرف کیا ہے۔ 384 صفحات کی کتاب میں صرف 60 صفحات پر داستان اور قصوں کا ذکر ہے۔ باقی پوری کتاب ناول کے آغاز و ارتقاء پر ہے۔ لیکن ان کم صفحات کے باوجود وقار عظیم داستان کے تعلق سے اپنا نظریہ رکھتے ہیں۔ انہوں نے داستان کے فن کا مطالعہ سنجیدگی سے کیا ہے۔ داستان کے تعلق سے لکھتے ہیں:

''داستانوں نے انسان کے لیے عملی زندگی کا ایک ایسا ضابطہ مرتب کیا ہے جس میں عیش و عشرت کی فراوانی ہے۔ جرأت، ہمت، شجاعت اور مردانگی کے بدلے ابدی سکون و راحت کا انعام، مروت، محبت اور دردمندی کے بدلے جاہ و ثروت ہے، عارضی سخت کوشی کے بدلے دائمی راحت ہے۔ یہ دنیا مشاہدہ اور فکر نے نہیں تصور و تخیل نے آباد کی ہے۔ اور اس کی تزئین میں ادبیت و شعریت نے اپنی پوری قوتیں صرف کی ہیں۔ اس لیے ہر طرف حسن و جمال کے جلوے ہیں اور یہی بات قاری کے لیے کشش کی ہے۔''

[داستان سے افسانے تک، وقار عظیم، ص 13، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ]

درج بالا اقتباسات سے داستان کے فن کے تعلق سے بہت کچھ صاف ہو جاتا ہے۔ داستان کے اجزائے ترکیبی میں سب سے اہم دلچسپی ہے۔ اس کے بعد طوالت، طرز بیان، مافوق فطرت عناصر، تحیر، تجسس، تسلسل جیسے عناصر داستان کو مکمل کرتے ہیں۔ دراصل زبانی داستان اور تحریری داستان میں خاصا فرق ہوتا ہے۔ زبانی داستان کے لیے قصہ گو میں تقریری صلاحیت، چرب زبانی اور لہجے کے اتار چڑھاؤ اور چہرے کے ہاؤ بھاؤ کا خاص دخل ہے۔ ان اوصاف سے داستان گو قصے کو دلچسپ سے دلچسپ ترین بنا سکتا ہے۔ دوسرے داستان کا مواد بھی دلکش، پر اثر اور حیرت انگیز ہو۔ بے رس اور خشک موضوعات داستان کو زیب نہیں دیتے کہ ان میں داستان گو لاکھ اپنے فن کا مظاہرہ کرے داستان میں دلچسپی اور تحیر پیدا نہیں ہو سکتے۔ زبانی داستان کے لیے موقع محل اور جگہ سے بھی داستانوں کی فضا سازی پر اثرات قائم ہوتے ہیں جب کہ تحریری داستان میں مصنف ہی داستان گو ہوتا ہے۔ لیکن اس کی مجبوری یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے فن کے سارے جوہر صرف تحریر کے ذریعے ہی دکھا سکتا ہے۔ دلچسپی، تحیر، تجسس جیسے عناصر بھی قلم کے محتاج ہوتے ہیں زبانی فن کی باریکیاں اور خوبیاں، اس کے ساتھ نہیں ہوتی ہیں۔ ایک اور بات قال ذکر ہے کہ تحریری داستان ہر کس و ناکس نہیں پڑھ سکتا۔ اس کے لیے تعلیم یافتہ ہونا بھی ضروری ہے جب کہ زبانی داستان کا تعلق صرف اور صرف سماعت سے ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زبانی داستان، تحریری داستانوں سے زیادہ مقبول ہوتی ہیں۔ لیکن یہ بھی سچائی ہے کہ تحریری داستانوں کی اساس یہی زبانی داستانیں ہیں۔ تحریری، داستانیں زبانی داستانوں پر اس لیے فوقیت رکھتی ہیں کہ یہ دستاویزی حیثیت رکھتی ہیں اور زبانی داستانوں کا کوئی ریکارڈ نہیں ہوتا۔ نہ ان کے مصنف کا علم ہوتا بلکہ یہ تو Folk Literature کا حصہ ہوتی ہیں۔ ایسا ادب جسے عوام تخلیق کرتی ہے جس پر کسی ایک کا حق نہیں ہوتا۔

اردو میں داستانوں کو ہم دو خانوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ منظوم داستانیں اور منثور داستانیں۔ منظوم داستانوں میں دلچسپی اور کشش مغنی کی آواز پر بھی منحصر ہوتی تھی۔ ترنم اور لحن سے منظوم داستان میں ایک الگ قسم کا کھنچاؤ، آواز کا سوز اور اتار چڑھاؤ، داستان کے تئیں لوگوں کی دلچسپی میں کئی گنا اضافہ کر دیتا تھا۔

Scanned by TapScanner

دکن کی منظوم داستانیں

اردو کی پہلی منظوم داستان، فخر الدین نظامی کی مثنوی ''کدم راؤ پدم راؤ'' ہے۔ اس کی تصنیف کے تعلق سے تضاد ہے۔ نصیر الدین ہاشمی نے اس کا سن تصنیف ۸۶۵ھ سے ۸۶۷ھ تحریر کیا ہے جب کہ مخطوطات انجمن ترقی اردو کی جلد اول کے مرتبین کے مطابق ۸۲۵ سے ۸۳۸ھ اور ڈاکٹر جمیل جالبی نے ۸۳۴ھ سے ۸۳۹ھ/۱۴۳۰ء سے ۱۴۳۵ء کے درمیان عہد سلطان احمد شاہ ولی بہمنی بتایا ہے۔ منظوم داستانوں کا یہ سلسلہ آگے بڑھتے ہوئے ''چندر بدن و مہیار'' (از مقیمی ۹۸۸ھ سے ۱۰۳۷ھ) بہرام و حسن بانو (از: امین ۱۰۴۸ھ)، قصہ ابو تمیم انصاری (از: صنعتی ۱۰۳۷ھ سے ۱۰۶۷ھ)، خاور نامہ (از: کمال خاں رستمی ۱۰۵۹ھ)، گلشن عشق (از: نصرتی ۱۰۶۸ھ)، یوسف زلیخا (از: سید میراں ہاشمی ۱۰۹۹ھ)، قطب مشتری (از: ملا وجہی ۱۰۱۸ھ)، بینا ستونتی (از: غواصی ۱۰۳۵ھ)، سیف الملوک و بدیع الجمال (از: غواصی ۱۰۳۵ھ) طوطی نامہ (از غواصی ۱۰۵۹ھ)، ماہ پیکر (از جنیدی ۱۰۶۴ھ)، پھول بن (از: شیخ محمد مظہر معروف بہ ابن نشاطی ۱۰۶۶ھ)، بہرام و گل اندام (از: طبعی)، پدمات اردو ترجمہ (از غلام علی ۱۰۹۱ھ) جنگ نامہ (از: سیوک ۱۰۹۲ھ) قصہ رضوان شاہ و روح افزا (از: فائز ۱۰۹۴ھ)، ظفر نامہ (از: غلام علی لطیف ۱۰۹۵) قصہ مہر و ماہ (از: مظفر) قصہ ابو شحمہ (از: امین ۱۰۹۰ھ)، عشق صادق (از: ضعیفی ۱۱۰۰ھ) قصہ ملکہ مصر (از: سید محمد عاجز ۱۱۰۰ھ)، وصال العاشقین (از: شاہ حسین ذوقی ۱۱۰۹ھ)، یوسف زلیخاں (از: امین ۱۱۰۹ھ) من لگن (از: قاضی محمود ۱۱۱۱ھ) گلشن حسن و دل (از: مجرمی ۱۱۱۴ھ) پنیہ در پن (از: ہنر ۱۱۴۴ھ) باغِ جاں (از: وجدی ۱۱۴۵ھ) لعل و گوہر (از: عارف الدین خاں عاجز ۱۱۵۰ھ) بوستانِ خیال (از: سراج ۱۱۷۱ھ) تک دراز ہوتا گیا۔

شمال ہند کی منظوم داستانیں

شمال میں ولی دکنی کی آمد نے شاعری میں انقلاب آفریں تغیر پیدا کیا۔ شاعری میں نئے خیالات اور عام زبان کا استعمال بڑھ گیا۔ متعدد شعرا نے غزل، قصیدہ، واسوخت

اور مثنویاں قلم بند کیں۔ سودا کی مثنوی عشق پسر شیشۂ گربہ زرگر پسر ۱۱۸۸ھ سے ۱۱۹۵ء کے درمیان قلم بند ہوئی۔ بعد میں میر کی مثنویاں شعلہ عشق اور دریا عشق وجود میں آئیں اور پھر یہ سلسلہ طویل ہوتا گیا۔ سحر البیان (از: میر حسن ۱۱۹۹ھ) دلپذیر (رنگین ۱۲۱۳ھ) گلزار نسیم (از: دیا شنکر نسیم ۱۲۵۴ھ) افسانہ عشق، دریائے تعشق، بحر الفت (واجد علی شاہ، اشاعت ۱۲۶۳ھ) طلسم الفت (اسد علی خاں قلق ۱۲۵۶ھ) لذت عشق (آغا حسن نظم لکھنوی (۱۸۴۷ء۔۱۹۵۶ء کے درمیان) ترانۂ شوق (احمد علی شوق ۱۸۸۷) کی تخلیق نے شمالی ہند کے ادبی وقار کو بحال کیا۔

منثور داستانیں

نثر کی جہاں تک بات ہے تو یہ بات بالکل صاف ہے کہ شاعری کے مقابلے نثر لکھنا زیادہ مشکل امر ہے۔ یہی سبب ہے کہ شاعری کے مقابلے نثر کا فروغ کم ہوا۔ منظوم داستانوں کے مقابلے منثور داستانوں کی تعداد کو انگلیوں پر شمار کیا جا سکتا ہے۔ یہاں ہم شمال اور دکن کی بات کریں تو بھی بات الجھ جاتی ہے۔ شمال میں امیر خسرو کے بعد کئی صدی تک معاملہ بالکل خالی ہے جب کہ اسی عہد میں دکن میں شاعری کے ساتھ ساتھ نثر کو بھی خاصا فروغ حاصل ہوا۔ اس کی یوں تو بہت ساری وجوہات ہیں لیکن علاؤ الدین خلجی کی فتح دکن کے بعد وہاں زبان کا خاصا فروغ ہوا پھر محمد بن تغلق کے شاہی فرمان کے مطابق دار الحکومت کے تبادلے نے بھی خاصا اثر ڈالا جس کے نتیجے میں جنوب میں اردو زبان و ادب کو خاصا فروغ حاصل ہوا۔ تیسری اہم وجہ سلاطینِ جنوب کا زبان و ادب کو تحفظ فراہم کرنا بھی تھی۔ یہی سبب ہے کہ جنوب میں شعرا و ادبا کے علاوہ سلاطین نے بھی اچھی شاعری اور نثر تحریر کی۔

جہاں تک اردو کی نثری داستانوں کا سوال ہے تو یہاں ملا وجہی بازی لے جاتے ہیں۔ ان کی تخلیق ''سب رس'' کو اردو کی پہلی نثری داستان کا درجہ حاصل ہے۔ یہ بات بھی حقیقت ہے کہ ملا وجہی نے سب رس کو فارسی کی معروف مثنوی ''دستور عشاق'' اور نثری قصہ ''حسن و دل'' (محمد یحییٰ بن سبیک فتاحی نیشاپوری) سے اخذ کیا ہے۔ اپنے زمانے میں ''حسن و دل'' کافی مشہور ہوا تھا۔ سب رس سے قبل نثری قصے ہنوز تحقیق کے منتظر ہیں 'سب رس'

Scanned by TapScanner

۱۰۴۵ھ میں قطب شاہی خاندان کے حکمراں عبداللہ قطب شاہ کی فرمائش پر ملا وجہی نے لکھی۔ "سب رس" کے بعد "قصہ مہر افروز و دلبر" (عیسوی خاں بہادر تصنیف کی۔ منثور داستانوں میں سب رس کے بعد "قصہ مہر افروز و دلبر" (عیسوی خاں بہادر سن تصنیف محمد شاہی دور)، نوطرز مرصع (میر محمد حسین عطا خاں تحسین، زمانہ تصنیف ۱۷۶۸ء سے ۱۷۷۵ء کے درمیان) عجائب القصص (شاہ عالم ثانی) باغ و بہار (میر امن دہلوی ۱۸۰۳ء) توتا کہانی (حیدر بخش حیدری ۱۸۰۴ء)، آرائش محفل (حیدر بخش حیدری ۱۸۰۵ء) بیتال پچیسی (مظہر علی خاں ولا اور للو لال ۱۸۰۱ء) سنگھاسن بتیسی (کاظم علی جوان اور للو لال جی ۱۸۷۰ء) داستان امیر حمزہ (خلیل علی خاں اشک ۱۸۰۳) گلزار چین (خلیل علی خاں اشک ۱۸۰۴ء) نثر بے نظیر (میر بہادر علی حسینی ۱۸۰۳ء) اخلاق ہندی (میر بہادر علی حسینی ۱۸۰۳ء)، مذہب عشق (نہال چند لاہوری ۱۸۰۴ء) خرد افروز (حفیظ الدین احمد ۱۸۰۳ء) رانی کیتکی کی کہانی (انشاء اللہ خاں انشاء ۱۸۰۳ء) سلک گوہر (انشاء اللہ خاں انشاء) گلشن نو بہار (محمد بخش مہجور لکھنوی ۱۸۰۵ء) انشائے نورتن (مہجور) فسانۂ عجائب ۱۲۴۰ھ، شگوفۂ محبت ۱۲۷۲ھ، گلزار سرور ۱۲۷۶ھ، شبستان سرور ۱۲۷۹ھ (مرزا رجب علی بیگ سرور)، نو بہار (بینی نرائن ۱۲۴۰ھ) سروش سخن (فخر الدین حسین سخن دہلوی ۱۸۵۹ء)، طلسم حیرت (جعفر علی شیون کاکوری ۱۸۸۲ء) بوستان خیال (میر تقی خیال، ترجمہ امان دہلوی ۱۸۶۶ء) وغیرہ کا ذکر خاص طور پر ہوتا ہے۔ ویسے اردو کی نمائندہ داستانوں میں ہم سب رس، باغ و بہار، عجائب القصص، فسانۂ عجائب، داستان امیر حمزہ، بوستان خیال کو شمار کرتے ہیں۔ یوں داستان نگاری کا عہد انیسویں صدی کے اختتام تک جاری رہا۔ بعد میں ناول اور افسانہ کے آغاز اور مقبولیت کے بعد اور دوسرے روزگار کے عام مواقع کے سبب فرصت کے لمحات کے ناپید ہونے کے باعث داستانوں سے دلچسپی آہستہ آہستہ کم ہوتی گئی۔ ادھر بیسویں صدی خصوصاً آزادی کے بعد داستانوں کا وجود بالکل معدوم ہو گیا۔

●●●